

# توضیحی بیان

ڈاکٹر فضل الرحمن

اگست ۱۹۶۳ء کے ”بینات“ میں مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے ”فکر و نظر“ کے عنوان اور ”علماء امت کے لئے لمحہ فکریہ“ ”عصر حاضر کا اہم تقاضا“ اور ”قدیم فقہ اسلامی کی روشنی میں جدید مسائل کا حل“ کے ذیلی عنوانات سے مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا، جو اکتوبر ۱۹۶۳ء تک جاری رہا۔ ان مضامین میں جدید مسائل کے حل کے لئے جو طریقہ کار پیش کیا گیا تھا، اس سے مجھے مکمل اتفاق نہیں تھا۔ اس کے باوجود مجھے اس بات کی خوشی تھی کہ ہمارے علماء کرام کے ایک سنجیدہ حلقے میں جدید مسائل کے حل کی کوشش کا جذبہ موجود ہے۔ مزید مسرت کا مقام یہ تھا کہ ان مضامین سے متبادر یہ ہوتا تھا کہ مولانا صاحب موصوف قدیم طرز کے علماء کو عصر جدید کے ماہرین علوم کی اعانت سے ان جدید مسائل کے حل کی دعوت دینا چاہتے ہیں۔ مولانا صاحب موصوف نے واضح طور پر فرمایا تھا کہ ”بلاشبہ یہ فرض ایک اسلامی حکومت کا تھا کہ وہ وقت کے جامع ترین علماء... [یہاں ان کی طویل صفات بیان کی گئی ہیں]... کو کسی ایک مرکز میں جمع کرتی اور ان کی رفاقت میں عصر حاضر کے دیندار قانون دان طبقہ کو شامل کرتی۔“

اس طرح قدیم و جدید سے فقہ اسلامی کی مہارت و معلومات رکھنے والے حضرات اس کام کو اپنے ہاتھوں انجام دیتے۔“ (اگست ۱۹۶۳ء ص ۱۳۳) اس کے بعد اکتوبر ۱۹۶۳ء کے شمارہ میں ”متنہ خردوار“ اور قابل توجہ مسائل حاضرہ کے ذیلی عنوانات کے تحت جو مسائل مولانا موصوف نے پیش کئے تھے، ان میں ”انٹرنیشنل“ اور ”بیک“ (۱۹۶۴ء - ۱۹۶۵ء) کے مابین اور ”انٹرنیشنل“ اور ”بیک“ (۱۹۶۵ء - ۱۹۶۶ء) کے مابین (ص ۲۶)

جیسے مسائل کا ذکر تھا جو ظاہر ہے کہ علوم جدیدہ کے ماہرین کے مشورے ہی سے حل ہو سکتے ہیں۔ مولانا محمد یوسف بنوری کے مندرجہ بالا ارشادات اور اُن سے حسن ظن رکھنے کی بنا پر میں نے اپنے ایک اخباری بیان میں قدیم و جدید طرز کے علماء و ماہرین کے باہمی تعاون کی اہمیت کے سلسلے میں مولانا موصوف کا حوالہ دیا تھا۔ میرے اس بیان کے ضروری اقتباسات نمبر ۳۳۷ کے ”فکر و نظر“ کے ادارہ میں نقل کئے گئے تھے اور تعاون کی درد مندائے اپیل کی گئی تھی۔ جس کا جواب مولانا کی طرف سے دسمبر ۱۹۶۳ء کے ”بینات“ میں ”عصر حاضر کے جدید مسائل کا حل اور ایک غلط فہمی کا ازالہ“ کے عنوان سے دیا گیا ہے۔ میرے حوالہ دینے پر مولانا نے تعجب کا اظہار کیا ہے لیکن مجھے اب بھی یقین ہے کہ میں نے مولانا کے مضامین سے تعاون اور رفاقت کا جذبہ اخذ کرنے میں غلطی نہیں کی تھی۔ بہر حال، مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ مولانا نے اپنے اس مضمون میں ”حدیث و سنت“ پر میرے سلسلہ مضامین کی تنقید کا آغاز فرمایا ہے۔ اس سلسلہ مضامین کے اردو ترجمہ کی آخری قسط اس رسالہ کے موجودہ شمارہ میں شائع ہو رہی ہے۔ میں مولانا کے مکمل تبصرہ کا بے تابی سے انتظار کروں گا۔ دین کے اہم مسائل باہمی افہام و تفہیم ہی سے حل ہو سکتے ہیں۔

مولانا نے اپنے تمہیدی تبصرہ میں ”حدیث و سنت“ پر میرے سلسلہ مضامین کے اردو ترجمہ کی پہلی قسط کے حاشیہ کے ایک فقرہ نمازوں کے لئے ایک معیاری وقت سے جو معنی نکالے ہیں وہ یقیناً میرے دل میں نہ تھے۔ نہ عام قاری اُن سے وہ مفہوم نکالتے ہیں کامیاب ہوگا۔ ”معیاری وقت“ ”STANDARD TIME“ کا ترجمہ تھا۔ میری مراد بندھ گئے، منٹوں کی حد تک متعین اوقات سے تھی۔ جس عبارت کے حاشیہ سے مولانا نے یہ فقرہ نقل فرمایا ہے، اسی کے متن میں ”غیر لچک دار“ (”INFLEXIBLE“) اور جامد“ (”RIGID“) کے الفاظ موجود ہیں۔ (ملاحظہ ہو ”فکر و نظر“ شمارہ نمبر ۱۸، ص ۱۸ اور ”اسلامک اسٹڈیز“ بابت مارچ ۱۹۶۳ء ص ۱۳) مجھے یقین ہے کہ مولانا موصوف مجھ سے متفق ہوں گے کہ عہد رسالت میں اوقاتِ صلوٰۃ میں اتنی ”لچک“ (اگر یہ لفظ نامناسب ہو، تو اسی مفہوم کا کوئی اور لفظ تجویز فرمائیں، مطلب ہے ”تشدّد کے ساتھ تعین کا فقدان“) ضرور تھی کہ اس کے باعث احادیثِ نبوی میں اس بارے میں تقاض اور فقہاء کے مذاہب میں شدید اختلاف رائے کا اظہار ہوا۔ یہاں تک کہ بلاغدر سفر ظہر و عصر اور مغرب و عشا کی نمازوں کے ملا لینے کی

سنت نبوی کا واضح ذکر صحیح احادیث میں موجود ہے۔

جہاں تک نمازوں کی تعداد، ان کے اوقات اور طریقوں کا تعلق ہے، میں اس سلسلہ مضامین میں، جن کا انگریزی متن اب سے ڈیڑھ پورے دو سال قبل ادارہ کے انگریزی مجلہ ”اسلامک اسٹڈیز“ کے شمارہ بابت مارچ و جون ۱۹۶۲ء میں شائع ہو چکا تھا، اور اردو ترجمہ اس ماہنامہ میں قسط و اشاعت ہوتا رہا ہے، یہ واضح کر چکا ہوں کہ ”صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ کا اپنی عملی تفصیلات

کے ساتھ (”WITH THEIR DETAILED MANNER OF APPLICATION“) بالترتیب طور سنت نبوی مردی ہونا ایسا یہی امر ہے کہ اس سے انکار وہی کر سکتا ہے جو عقل یا دیانت سے محروم ہو۔“ (”اسلامک اسٹڈیز“ جون ۱۹۶۲ء ص ۳۲ و ”فکر و نظر“ حالیہ شمارہ ص ۲)۔ امید ہے یہ توضیح مولانا کی غلط فہمی کے ازالہ کا سبب ہوگی۔

مولانا نے اپنے مضمون زیر تبصرہ میں اجتہاد کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے۔ اس کے سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ اسلامی قوانین کو پاکستان کے نوکر و مسلمانوں کی زندگیوں میں نافذ کرنے کے لئے تقلید پر تشدد کے ساتھ کاربند رہنے سے ہرگز کام نہ بنے گا۔ جب تک ”مسلمانان درگور و مسلمانی در کتاب“ فرض کر لیا گیا تھا، اس وقت تک رسمیتی امور کے لئے تقلید شخصی ہی واحد راستہ تھی، لیکن اب اس صورت حال کو بدلنے کی سعی لازمی ہے۔ ورنہ پاکستان میں سیکولرزم کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔ بلکہ الحاد کا سبیل سب کچھ بہالے جائیگا۔ میں نے اس موضوع پر اپنے چند خیالات کا اظہار ایک مرقع پر کیا تھا جو اس ماہنامہ میں ”قانونی اساس کے لحاظ سے قرآن کریم کی اُبدیت“ کے عنوان سے درج ہے۔ میں مولانا سے بہ ادب عرض کروں گا کہ وہ ان معروضات پر توجہ دیں اور اسلامی قوانین کے عملی نفاذ کی تدابیر پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔